





پنچ تنتر کی کہانیاں

دوسرا حصہ

پنچ تنتر کی کہانیاں

دوسرا حصہ



کہانیاں

مصنّف : شیو کمار
آرٹسٹ : ریوتی بھوشن
ترجمہ : اطہر پرویز

قیمت : ـــــ ۵ روپے ۷۵ پیسے
بار اوّل : ـــــــ ۱۹۷۳
تعداد : ـــــــ ۳ ہزار

پبلشرز : چلڈرنس بک ٹرسٹ، نہرو ہاؤس، ۴ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی
برائے ترقی اُردو بورڈ، وزارتِ تعلیم، حکومت ہند
پرنٹر : ـــــــ اِندر پرستھ پریس، نئی دہلی

پیش لفظ

پنچ تنتر کی کہانیاں سنسکرت میں لکھی گئی ہیں۔ یہ بہت پُرانی کہانیاں ہیں۔ پہلی بار یہ کہانیاں سیکڑوں برس پہلے لکھی گئی تھیں۔ پنچ تنتر سے مُراد ایسی کتاب ہے جو پانچ حصّوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اِس کتاب کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی کیا گیا۔ اور اس طرح پنچ تنتر کی کہانیاں عرب اور یورپی ممالک میں بھی پہنچ گئیں، وہاں یہ مختلف ناموں کے تحت کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ ان میں سے بہت سی کہانیاں مائیں اپنے بچّوں کو سُناتی تھیں۔ اس طرح پنچ تنتر کی کچھ کہانیاں لوک کہانیاں بن گئیں۔

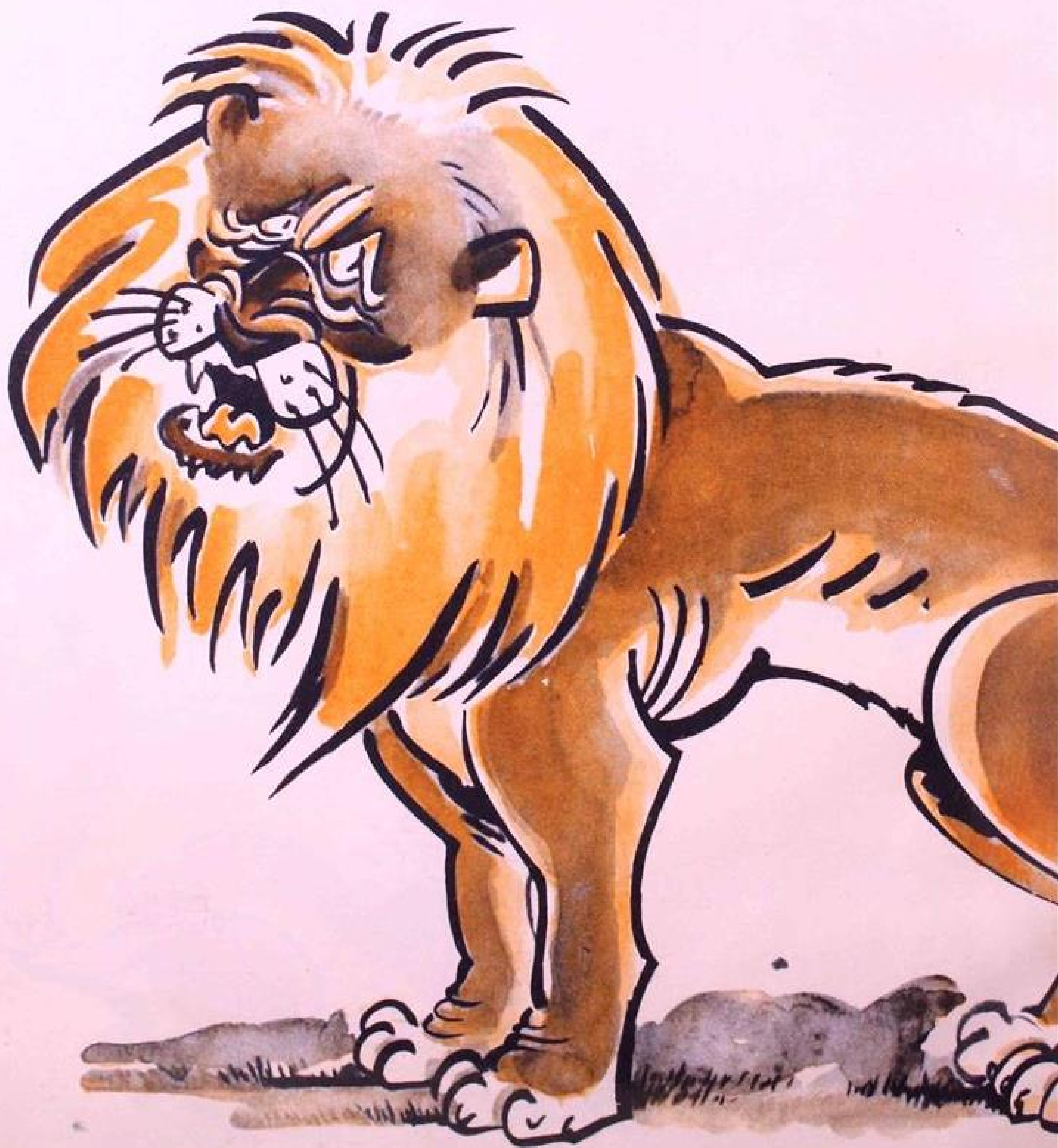
دنیا کے تمام لوگوں کے احساسات ایک جیسے ہوتے ہیں۔ سبھی نیکی، طاقت اور ایمانداری کو پسند کرتے ہیں اور بے وقوفی، کم ہمتی اور بے ایمانی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پنچ تنتر کی کہانیاں ہمیں انسان کے اچھّے اور بُرے دونوں پہلوؤں سے روشناس کراتی ہیں۔ اور اسی لئے ساری دنیا میں لوگ ان کہانیوں کو پسند کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ کہانیاں تین نوجوان شہزادوں کو زندگی کے اُتار چڑھاؤ سے واقف کرانے کے لئے لکھی گئی تھیں۔

چلڈرن بُک ٹرسٹ سے شائع ہونے والی پنچ تنتر کی کہانیوں کا یہ دوسرا حصّہ ہے۔ پہلے حصّے کی طرح یہ حصّہ بھی انگریزی اور ہندی کے علاوہ اُردو میں بھی شائع ہو رہا ہے۔

گدھے کا دِماغ

جنگل کا راجا شیر بوڑھا اور کمزور ہوگیا تھا۔ اس سے دوڑا بھی نہ جاتا تھا اور نہ جانوروں کا شِکار کرسکتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ تمام دن بھوکا رہتا۔ وہ روز بہ روز کمزور اور بوڑھا ہوتا جارہا تھا۔ ایک دن اُس نے سوچا کہ اس طرح میں کب تک زندہ رہوں گا۔ کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب سوچنی چاہیۓ جس سے مجھ کو روزانہ، آسانی سے ایک جانور کھانے کو مل جائے۔ بہت کچھ سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کے بعد اُس نے طے کیا کہ کسی جانور کو اپنا مددگار بنالے۔



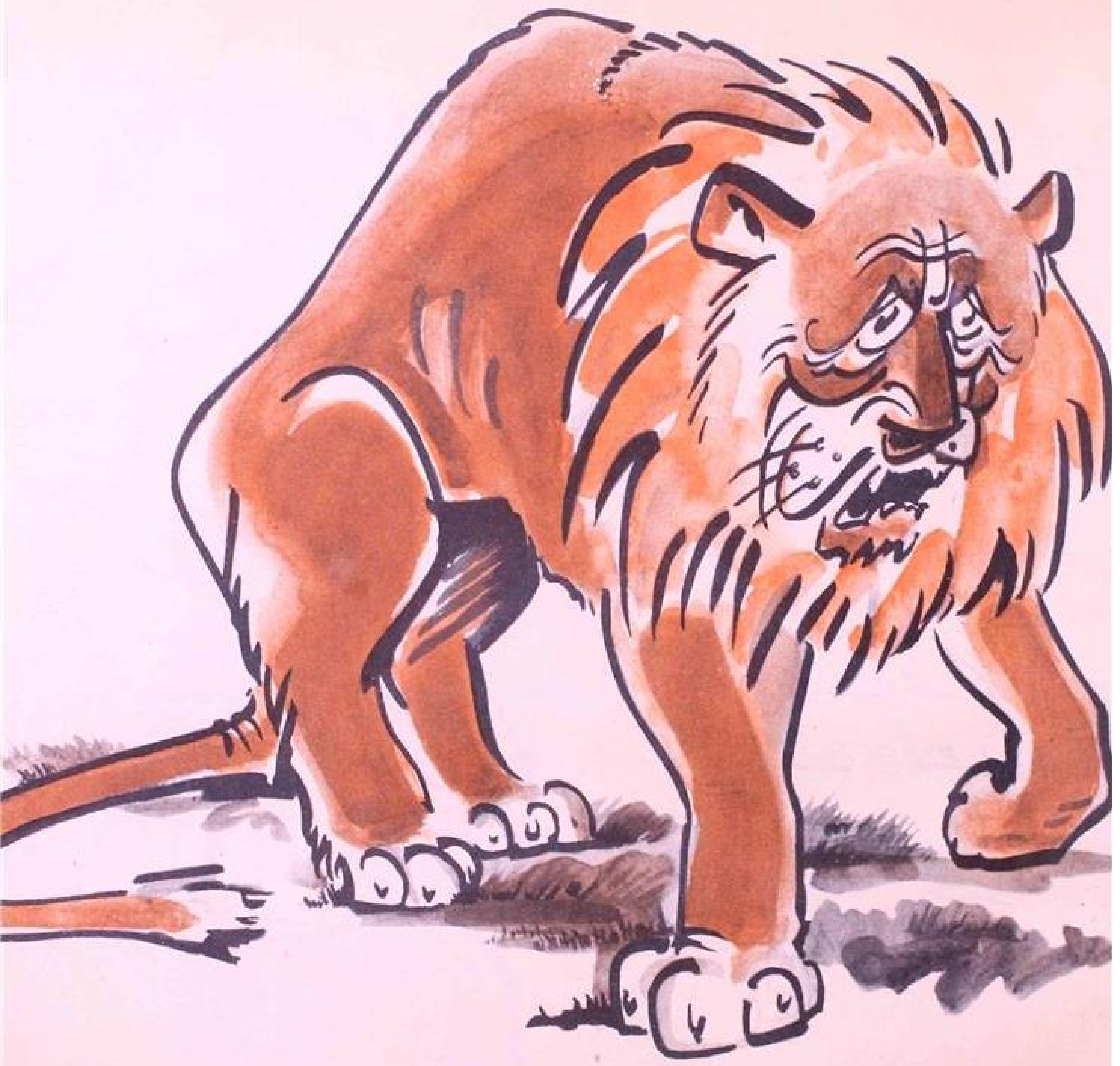


اُس نے سوچا کہ اس کام کے لئے لومڑی سے زیادہ اور کوئی جانور بہتر نہیں ہے۔ اس نے لومڑی کو بُلایا اور بڑے پیار سے اُس سے بولا۔ "بہن لومڑی! تم تو جانتی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور اس کی وجہ تمہاری چالاکی ہے۔ تم سب سے چالاک جانور ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری وزیر بن جاؤ اور راج پاٹ کے کام میں میری مدد کرو۔"

لومڑی چالاک تھی۔ اسے شیر کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔ لیکن اس کی بات کو کاٹے تو کیسے کاٹے۔ اس نے سر جُھکا کر کہا۔ "مہاراج! آپ کی بڑی مہربانی ہے۔ میں تو آپ کے حکم کی تابعدار ہوں۔ میں دل اور جان سے آپ کی خدمت کروں گی۔"

بوڑھا شیر بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا۔ "اچھا تو اپنا کام سن لو۔ تم جانتی ہو





کہ میں جنگل کا راجا ہوں اور یہ بات راجا کے لئے ٹھیک نہیں ہے کہ وہ اپنی غذا
کے لئے خود جانوروں کے پیچھے پیچھے بھاگے۔ اس لئے تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ
میرے کھانے کا انتظام کرو اور روزانہ میرے لئے ایک جانور لے کر آؤ۔ میں یہ جانتا ہوں

کہ تم یہ کام آسانی سے کر سکتی ہو۔"

"مہاراج! میں آپ کا حکم دل اور جان سے مانوں گی۔" یہ کہہ کر لومڑی شیر کے لئے جانور ڈھونڈنے کے لئے نکل پڑی۔

ابھی وہ جنگل کے باہر ہی تھی کہ راستے میں اسے ایک موٹا تازہ گدھا نظر آیا جو گھاس چر رہا تھا۔ وہ گدھے کے پاس جاکر بولی۔ "ارے یار! تم اب تک کہاں چھپے ہوئے تھے میں تو تمہیں سترہ روز سے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی ہوں۔"

"کیوں؟" گدھے نے



پوچھا۔ "میں تو یہیں تھا، لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

"میں تمہارے لئے بڑے مزے کی خبر لائی ہوں۔ تمہارے دن پھر گئے ہیں۔ اب تم خوشی مناؤ۔ میں جنگل کے راجا، شیر کے پاس سے تمہارے لئے ایک خاص پیغام لائی ہوں۔ راجا نے تم کو اپنا وزیرِاعظم بنایا ہے اور مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ یہ بات میں تم کو بتاؤں۔"

گدھا ڈر کے مارے کانپ اٹھا۔ "ارے باپ رے باپ۔ شیر نے۔ مجھ کو تو شیر کے نام ہی سے ڈر لگتا ہے۔ شیر نے مجھ کو اپنا وزیرِاعظم کیوں بنایا، میں تو اس کام کے لائق نہیں ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو بہن لومڑی۔"

لومڑی ہنس کر بولی۔ "تمہیں اپنی قابلیت کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ یہی تو تمہاری بڑائی کی بات ہے۔ شیر راجا نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا ہے۔ وہ تم سے مِلنا بھی چاہتے ہیں۔ تم نیک ہو، اچھے ہو، عقل مند ہو، محنتی ہو — اس لئے انہوں نے تم کو ہی اپنا وزیرِاعظم بنایا ہے۔"



لومڑی نے کچھ اس طرح باتیں بنائیں کہ بھولے بھالے گدھے کو اس کی بات پر یقین آگیا۔ اس نے سوچا کہ لومڑی ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔ شیر کے پاس چلا چلوں گا۔

"تم بڑے عقل مند ہو۔" لومڑی نے کہا، "تمہیں اپنی زندگی کا شاندار موقع ملا ہے۔ اسے ہاتھ سے مت جانے دینا۔ ہمارے مہاراج کئی بار تمہاری تعریف کر چکے ہیں۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

لیکن جب وہ دونوں شیر کے پاس پہنچے تو گدھا گھبرا گیا۔ وہ ٹھٹھک کر ایک طرف کھڑا ہوگیا اور لومڑی کے کہنے پر بھی آگے نہیں بڑھا۔ لومڑی نے خود آگے بڑھ کر شیر سے کہا "مہاراج! آپ کے وزیراعظم بڑے خاکسار ہیں۔ آپ کے سامنے آنے سے ہچکچا رہے ہیں۔"

شیر نے کہا "مجھے تو ایسے ہی لوگ پسند ہیں۔ میں خود وزیراعظم کے پاس جاؤں گا۔"

شیر بہت بھوکا تھا۔ اتنے موٹے تازے گدھے کو دیکھ کر وہ قابو سے باہر ہوگیا اور



بڑے زور سے اس پر جھپٹا۔ گدھا تو پہلے ہی سے چوکنّا تھا۔ وہ اپنی جان بچاکر بھاگ کھڑا ہوا۔

شیر کے ہاتھ سے جب شکار نکلا تو اسے بہت غصّہ آیا۔ وہ لومڑی سے گرج کر بولا۔ "تمہاری یہ ترکیب ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ جاؤ گدھے کو واپس لے کر آؤ۔ اگر نہیں لائی تو تمہاری خیر نہیں ہے۔"

لومڑی نے کہا "مہاراج! اس میں میرا کیا قصور؟ آپ نے خود بہت جلدی کی۔ آپ کو میرے اوپر بھروسہ کرنا چاہئے تھا۔ میں تو اس کو آپ کے پاس لے آئی تھی۔ خیر میں اسے پھر لانے کی کوشش کروں گی۔"

لومڑی گدھے کے پاس پہنچی اور بولی "تم بڑے عجیب جانور ہو۔ کیوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھلا کہیں وزیرِاعظم کو ایسا کرنا چاہئے۔"

گدھے نے کہا "اصل بات یہ ہے کہ میں بہت ڈر گیا تھا۔ میں تو یہ سمجھا کہ شیر مجھے مارنے کے لئے جھپٹ رہا ہے۔"

"تم رہے گدھے کے گدھے۔" لومڑی نے کہا۔ "اگر شیر



تمہیں مارنا ہی چاہتا تو تم بچ کر تھوڑا ہی جا سکتے تھے۔ دراصل وہ تمہارے کان میں کوئی سرکاری بھید بتانا چاہتا تھا، اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات میں بھی سنوں۔ مگر تم بھی عجیب ہو، بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھلا راجا نے اپنے دل میں کیا سوچا ہوگا۔ اب چلو چل کر راجا سے معافی مانگو۔ وزیرِاعظم بننے کے بعد جنگل میں تم ہی تم ہوگے۔ سب جانور تمہارا لوہا مانیں گے اور ہر ایک تم سے ڈرے گا۔"



گدھے نے پھر لومڑی کی باتوں پر یقین کرلیا۔ وہ لومڑی کے ساتھ، شیر کے پاس جانے کو پھر تیار ہوگیا۔

گدھا اور لومڑی دونوں شیر کے پاس پہنچے۔ شیر کی بھوک اور بھی بڑھ چکی تھی۔ لیکن اس بار اس نے جلدی نہیں کی۔ وہ گدھے کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا —— اِدھر آؤ میرے دوست! تم مجھ سے ڈر کر کیوں بھاگ گئے؟ آؤ میرے پاس آؤ۔ آج سے تم میری

ریاست کے وزیرِ اعظم ہو۔"

گدھا شیر کی باتوں میں آگیا۔ وہ جیسے ہی شیر کے پاس پہنچا، شیر نے جھپٹ کر اس کے سر پر ایسا گہرا وار کیا کہ ایک ہی وار میں بیچارے گدھے کی جان نکل گئی۔ اس کے بعد شیر نے لومڑی کو اس کی چالاکی پر شاباش دی اور گدھے کو کھانے کے لئے تیار ہوگیا۔ لیکن اسی وقت لومڑی



بولی "مہاراج! آپ بہت بھوکے ہیں اور تھک بھی گئے ہیں۔ آپ کے کھانے کا وقت بھی ہوگیا ہے۔ لیکن میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ کھانے سے پہلے نہالیں، اس کے بعد کھانا کھاکر آرام کریں۔"

شیر نے کہا "تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں نہانے جاتا ہوں۔ اس وقت تک تم گدھے کی لاش کی دیکھ بھال کرو۔" یہ کہہ کر شیر نہانے کے لئے ندی کی طرف چلا گیا۔

لومڑی کو بھی بڑی بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس نے مرے ہوئے گدھے کی طرف دیکھ کر سوچا۔

سانپ سے اسی طرح پیار کرتی جیسے کوئی ماں اپنے بچّے سے پیار کرتی ہے۔ وہ کسی طرح یہ برداشت نہ کرتی کہ کوئی اس کو تکلیف بھی پہنچائے۔

وہ اس سانپ کو بڑے لاڈ پیار سے پالنے لگی۔ روزانہ اسے نہلاتی دُھلاتی اور اچھے سے اچھا کھانا کِھلاتی، اور اسے ایک خوبصورت صندوق میں ایک گدّے دار بستر میں سُلاتی تھی۔

دھیرے دھیرے سانپ بڑا ہونے لگا۔ جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا گیا اس کی ماں کا پیار بھی بڑھتا گیا۔ جب پڑوس میں کوئی اپنے بچّے کا بیاہ کرتا تو اس کا بھی جی چاہتا کہ اپنے بیٹے کا بیاہ کرے۔ مگر سانپ کے لئے دُلہن کہاں سے لائے۔ پھر بھی وہ برابر سوچتی رہی کہ کہیں کوئی لڑکی ملے تو میں اپنے بیٹے کا بیاہ کروں۔

ایک دن جب برہمن گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی بیٹھی رو رہی ہے۔



"کیوں کیا بات ہے؟" برہمن نے پوچھا۔ "تم کیوں رو رہی ہو؟"

اس کی بیوی نے اس کا جواب دینے کے بجائے اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"آخر یہ تو بتاؤ تم کو کیا تکلیف ہے؟" برہمن نے پھر پوچھا۔ مگر وہ روتی ہی رہی۔ اب برہمن بھی کیا کرتا۔ بیچارا پریشان بے بس کھڑا دیکھتا رہا۔

"میں جانتی ہوں۔" اس کی بیوی بولی "تم کو نہ مجھ سے محبّت ہے اور نہ میرے بچّے سے۔ اب دیکھو میرا بچّہ بڑا ہو گیا ہے۔ تم یہ تو سوچتے نہیں کہ اس کا بیاہ کرنا چاہیئے۔"

"کیا؟" برہمن نے چونک کر کہا۔ "اس سانپ کے بچّے کے لئے دُلہن۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ ایسا کون ہوگا جو اپنی لڑکی کی شادی سانپ سے کرے گا؟"

یہ جواب سُن کر اس کی بیوی رونے لگی اور اتنا روئی کہ برہمن نے تنگ آکر اپنے لڑکے کے لئے بہو تلاش کرنا شروع کر دی۔

بیچارہ برہمن بہو کی کھوج میں گھر سے نکلا۔ اس نے گاؤں کے گاؤں چھان مارے،



لیکن اسے کہیں بھی کوئی ایسی لڑکی نہ ملی ، جس کی شادی سانپ سے کی جاسکے ۔ آخر وہ ایک شہر میں پہنچا ۔ اس شہر میں برہمن کا ایک دوست رہتا تھا ۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی ۔ برہمن اپنے دوست سے بہت دنوں سے نہیں ملا تھا ۔ اِس لئے اُس نے سوچا کہ اپنے اس دوست سے جاکر ملنا چاہئے ۔ برہمن سے مِل کر اُس کا دوست بہت خوش ہوا ۔ دونوں گلے ملے ، پھر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے ۔ آخر جب برہمن جانے لگا تو اس کے دوست نے پوچھا — بھائی ، تم گاؤں گاؤں کیوں گھوم پھر رہے ہو ؟"

" میں اپنے لڑکے کے لئے بہو کی تلاش میں ہوں ۔" برہمن نے کہا ۔

اس کے دوست نے کہا " تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا ۔ اب تم کو کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ۔ تمہارے لڑکے کے ساتھ میں اپنی بیٹی کی شادی کروں گا ۔ وہ خوبصورت بھی ہے اور تمہاری بہو بننے کے لائق بھی ہے ۔"

اچانک یہ خبر سُن کر برہمن سوچ میں پڑ گیا ۔ اس نے کہا ۔" دوست ! اچھا ہوتا کہ تم اپنی بیٹی کی شادی کرنے سے پہلے ایک بار تو میرے بیٹے کو بھی دیکھ لیتے ۔"

" ارے نہیں " اس کے دوست نے کہا ۔" اس کی کوئی ضرورت نہیں ۔ میں تم کو اور تمہاری بیوی کو خوب جانتا ہوں ۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے ۔ اب زیادہ وقت خراب کرنے کی



ضرورت نہیں ۔ میں اپنی لڑکی کو تمہیں سونپ رہا ہوں ۔ تم اسے لے جاؤ اور اپنے لڑکے کے ساتھ اس کی شادی کردو ۔"

اپنے دوست کی اس بات سے برہمن بہت پریشان ہوا ۔ لیکن ساتھ ہی اُس کو اِس بات کی خوشی بھی تھی کہ اتنے دن بعد اُسے اپنے لڑکے کے لئے بہو مل ہی گئی ۔

جب وہ لڑکی کو لے کر گھر پہنچا تو اُس کی بیوی مارے خوشی کے پھولی نہ سمائی ۔ اُس نے



فوراً بیاہ کی تیاریاں شروع کردیں ۔ جب اس بیاہ کی خبر گاؤں والوں تک پہنچی تو وہ لڑکی کے پاس گئے اور سمجھانے لگے کہ تجھے سانپ کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہئے ۔ لڑکی نے کہا "میرے باپ نے لڑکے کے باپ کو زبان دی ہے اب چاہے کچھ بھی ہو میں اُن کے لڑکے ہی سے بیاہ کروں گی ۔ میں اپنے باپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کروں گی ۔ اگر برہمن کا لڑکا سانپ ہے تو سانپ ہی سے میری شادی ہوگی ۔"



اگلے دن سانپ کے ساتھ لڑکی کی شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد وہ سانپ کے ساتھ اسی کمرے میں رہنے لگی۔ وہ اپنے شوہر سے بہت محبّت کرتی تھی اور ایک اچھی بیوی کی طرح اپنے شوہر کا خیال رکھتی اور سارے دن اس کی خدمت میں لگی رہتی۔ لیکن رات کو وہ سانپ اپنے صندوق ہی میں سوتا تھا۔

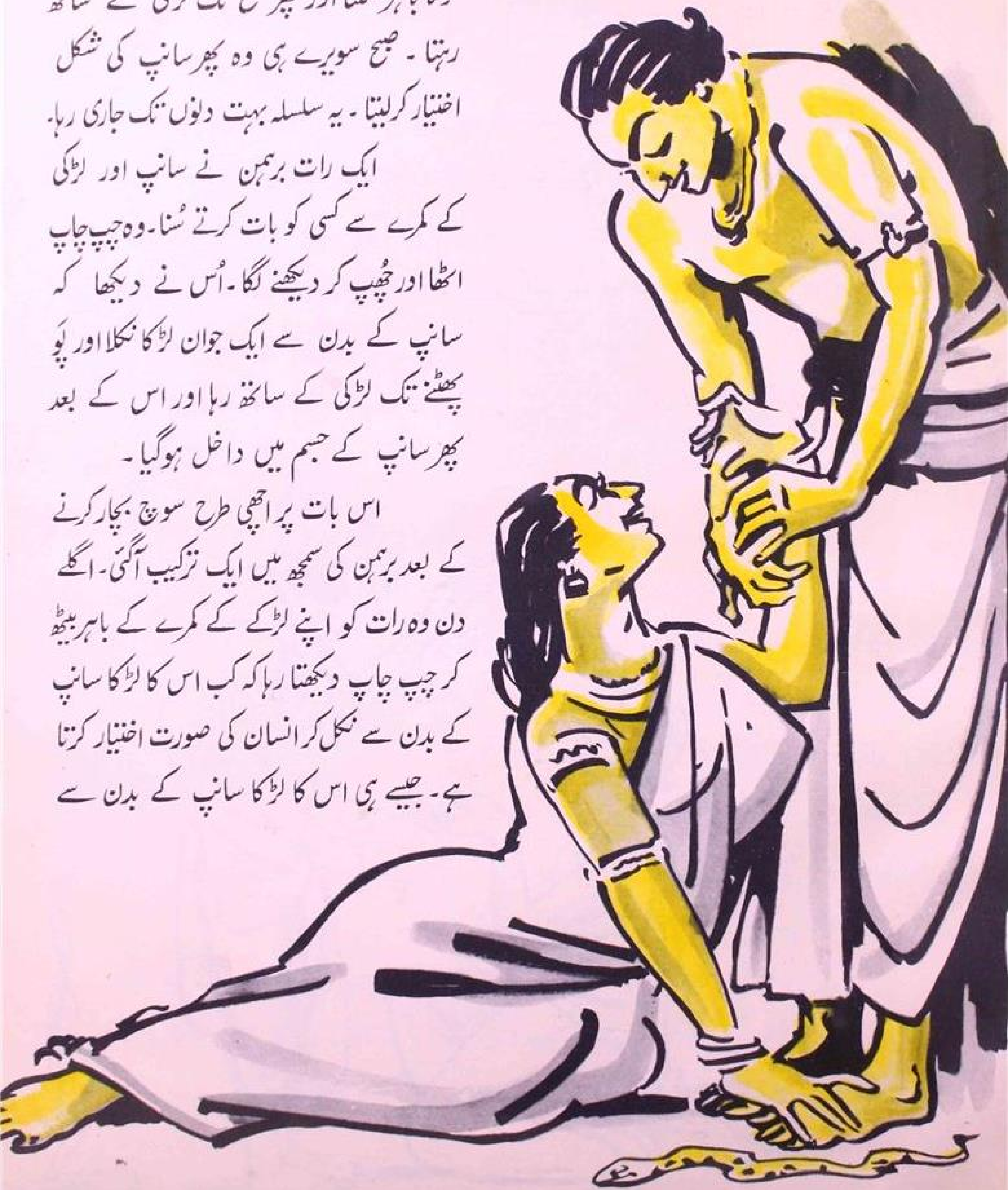
ایک بار رات کے وقت جب وہ لڑکی اپنے بستر پر سونے جارہی تھی، اس نے دیکھا کہ کمرے کے اندر ایک بڑا خوبصورت جوان لڑکا بیٹھا ہے۔ لڑکی نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ رات کے وقت ایک جوان لڑکے کو اپنے کمرے میں بیٹھا دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور بھاگنے ہی والی تھی کہ اُس نے کہا "بھاگو نہیں ـــ کیا تم مجھ کو نہیں پہچانتی؟ میں تمہارا شوہر ہوں۔" لیکن لڑکی نے اُس کی بات کا یقین نہیں کیا۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے وہ لڑکا ایک بار پھر سانپ کے بدن میں گھُس گیا اور دوبارہ پھر اس میں سے آدمی کی طرح نکلا۔ یہ دیکھ کر لڑکی کو اس بات پر یقین ہوگیا اور وہ اس کے قدموں میں گر پڑی۔

اس کے بعد پھر یہ ہوا کہ رات کو جب گھر کے سب لوگ سو جاتے تو سانپ کے بدن سے وہ

لڑکا باہر نکلتا اور پھر صبح تک لڑکی کے ساتھ رہتا ۔ صبح سویرے ہی وہ پھر سانپ کی شکل اختیار کرلیتا ۔ یہ سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا۔

ایک رات برہمن نے سانپ اور لڑکی کے کمرے سے کسی کو بات کرتے سُنا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور چُھپ کر دیکھنے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ سانپ کے بدن سے ایک جوان لڑکا نکلا اور پَو پھٹنے تک لڑکی کے ساتھ رہا اور اس کے بعد پھر سانپ کے جسم میں داخل ہوگیا۔

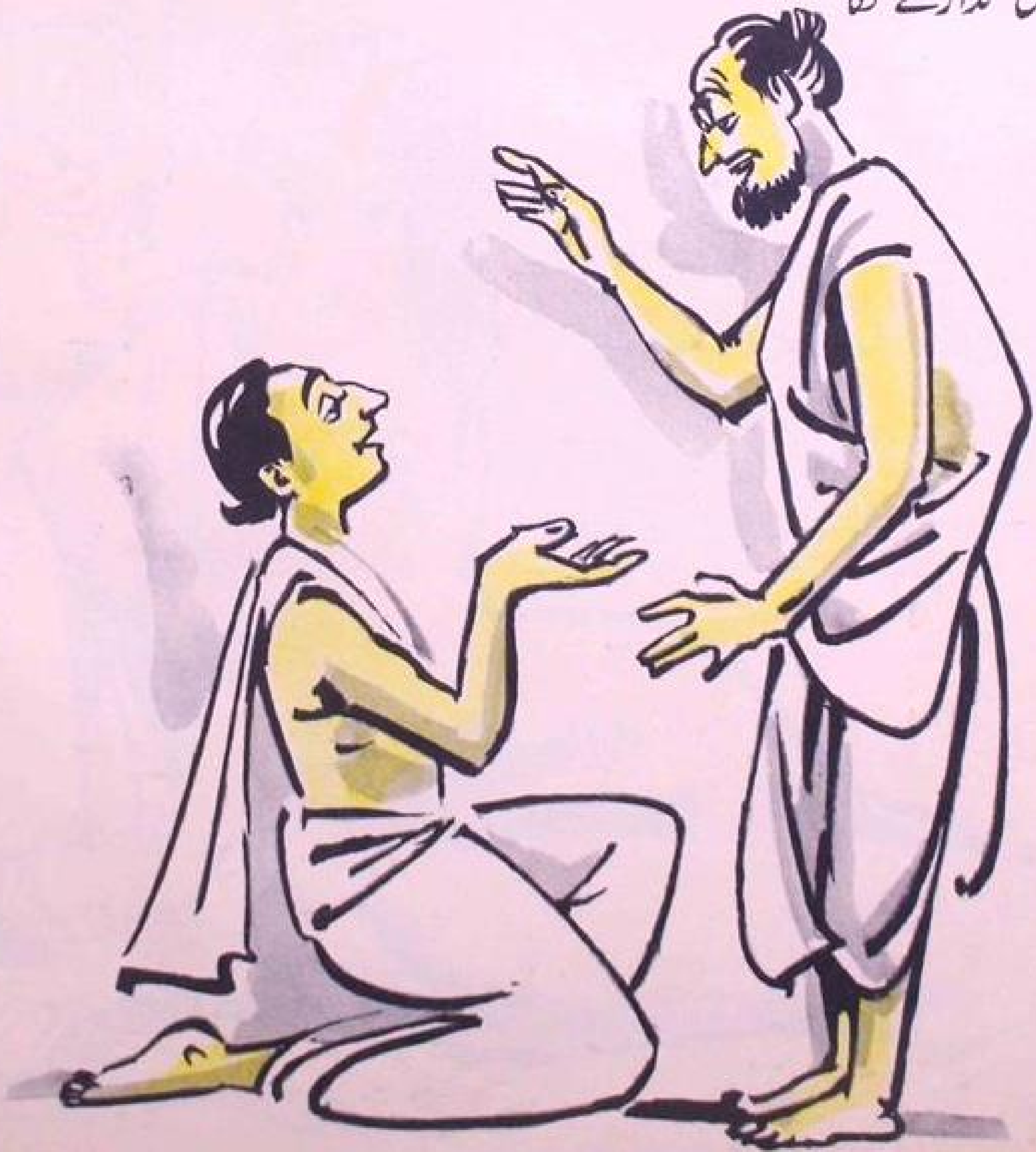
اس بات پر اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے بعد برہمن کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی۔ اگلے دن وہ رات کو اپنے لڑکے کے کمرے کے باہر بیٹھ کر چپ چاپ دیکھتا رہا کہ کب اس کا لڑکا سانپ کے بدن سے نکل کر انسان کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جیسے ہی اس کا لڑکا سانپ کے بدن سے



باہر نکلا ، ویسے ہی وہ تیزی سے جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے سانپ کے بدن کو اٹھا کر جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔

جب سانپ جل کر راکھ ہوگیا تو برہمن کے لڑکے نے اپنے باپ سے کہا — "پتا جی! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے کسی نے بَددعا دی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھے سانپ کے بدن میں رہنا پڑا۔ میں اُس وقت تک سانپ کی شکل میں رہتا جب تک کوئی آدمی مجھ سے پوچھے بغیر سانپ کے بدن کو جلا کر راکھ نہ کر دیتا۔ آپ نے سانپ کو جلا کر مجھے اس بددعا کے اثر سے آزاد کر دیا۔ اب میں اصلی شکل میں ہمیشہ ہمیشہ رہوں گا۔"

پھر تو وہ نوجوان سدا آدمی کی ہی شکل میں رہا اور برہمن کا سارا خاندان مزے میں ہنسی خوشی زندگی گذارنے لگا



اینٹ کا جواب پتھّر

بہت دنوں پہلے کی بات ہے کہ ایک شہر میں نادکؔ نامی ایک بیوپاری رہتا تھا۔ پہلے وہ بہت امیر تھا۔ لیکن ایک مرتبہ اس کی قسمت نے پلٹا کھایا اور روز بہ روز اس کا کاروبار چوپٹ ہوتا چلا گیا اور پھر ایک روز تو یہ نوبت آئی کہ وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگیا۔

نادکؔ بہت غمگین تھا لیکن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے بھی کیا فائدہ ہوتا۔ اس لئے نادکؔ نے سوچا کہ اب یہ شہر چھوڑ کر کہیں پردیس جانا چاہیئے۔ اس کے پاس جو کچھ تھا اُسے بیچ کر پہلے تو اُس نے اپنا قرض ادا کیا، اس کے بعد پردیس جانے کی تیاری شروع کردی۔ سب کچھ بیچ دینے کے بعد نادکؔ کے پاس صرف ایک ہی کام کی چیز بچ گئی اور وہ تھی لوہے کی ایک بھاری چھڑ۔ اس چھڑ کا وزن لگ بھگ پانچ سو کلوگرام تھا۔

پردیس جانے سے پہلے نادکؔ اپنے ایک گہرے دوست لچھمن سے ملنے گیا۔ نادکؔ کی رام کہانی سُن کر لچھمن کو بڑا افسوس ہوا۔ جب اُس نے سُنا کہ نادکؔ شہر چھوڑ کر جارہا ہے تو اُس نے کہا " میرے پیارے دوست! میرے لائق کوئی کام ہو تو بتاؤ۔"

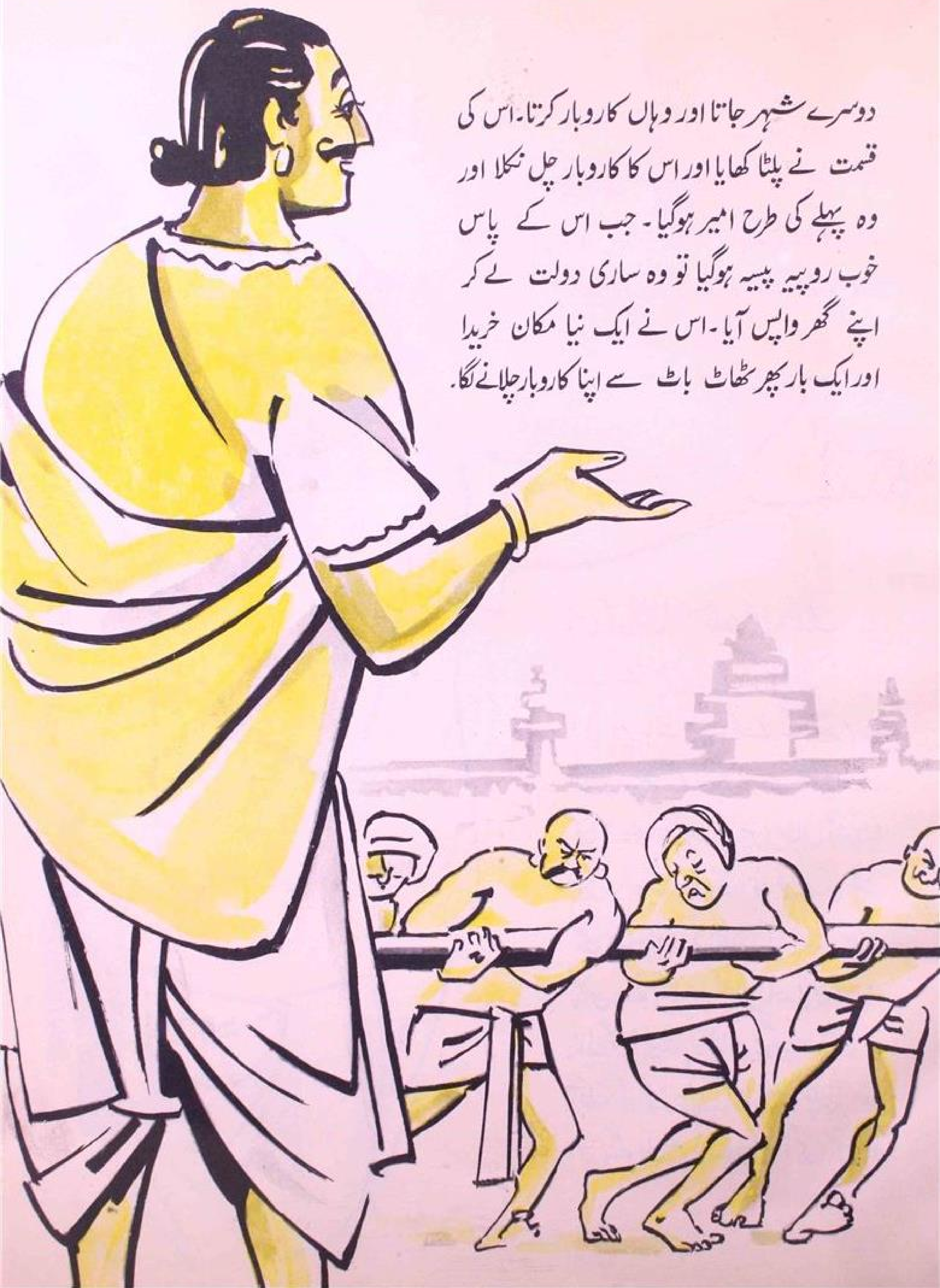


نادکؔ نے کہا " اور تو کچھ نہیں ، لیکن میرے پاس لوہے کی ایک بھاری سی چھڑ ہے ۔ میں اُسے تمہارے پاس چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں. اگر تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو تو اُسے اپنے یہاں رکھ لو ، جب میں واپس آؤں گا تو لے لوں گا ۔"

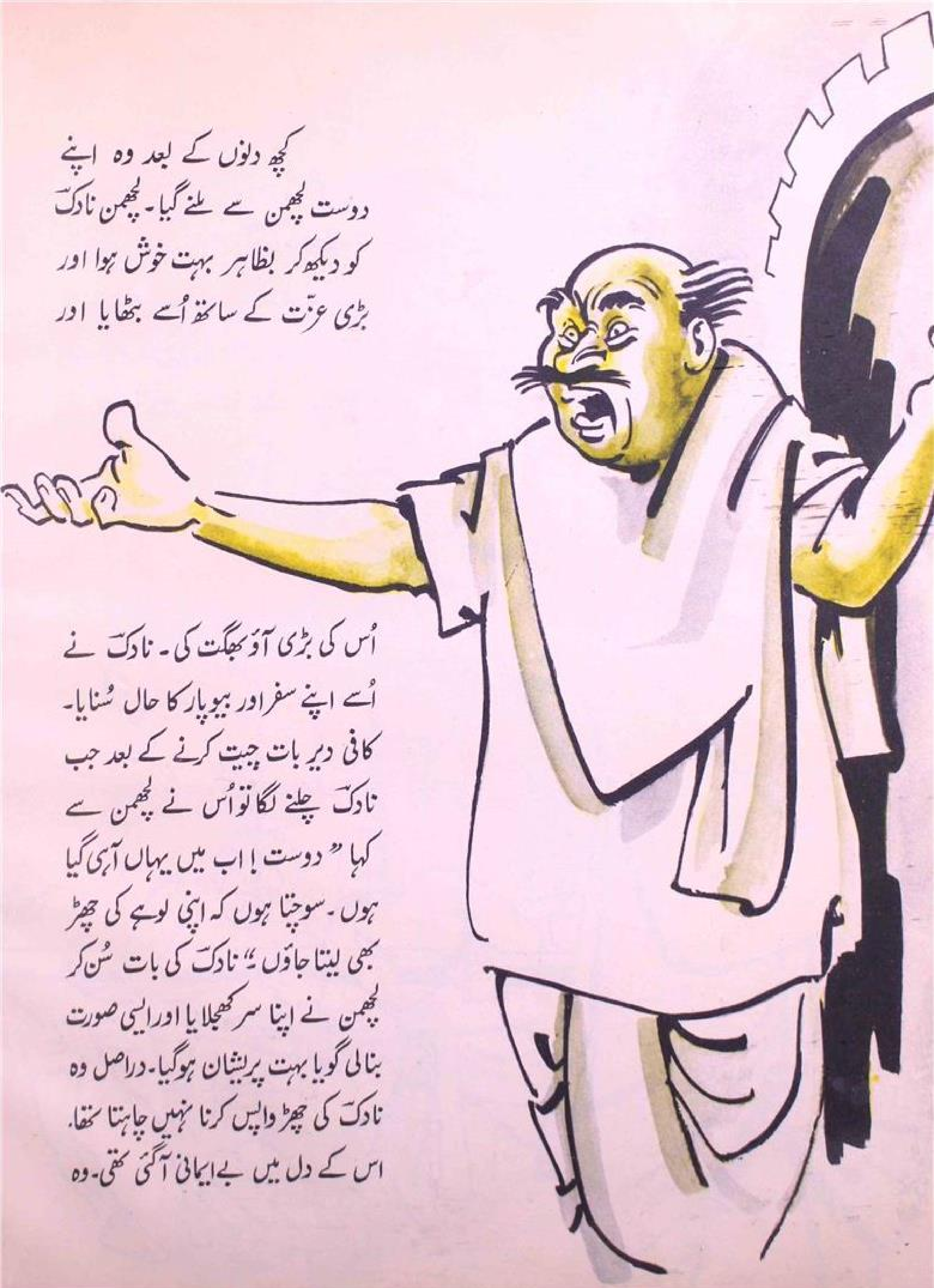
" بس اتنی سی بات ہے ۔ بھلا اس میں کیا تکلیف ۔ تم اپنی لوہے کی چھڑ بے فکری سے میرے پاس چھوڑ کر چلے جاؤ ۔ تمہاری چیز یہاں بڑی حفاظت سے میرے پاس رکھی رہے گی اور جب بھی تم واپس آکر مانگوگے تو تم کو مِل جائے گی ۔" نادکؔ نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا ۔

کچھ دنوں کے بعد لوہے کی چھڑ لچھمن کے پاس چھوڑ کر نادکؔ پردیس چلا گیا ۔

کئی سال تک نادکؔ اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا رہا ۔ وہ ایک شہر سے



دوسرے شہر جاتا اور وہاں کاروبار کرتا۔ اس کی قسمت نے پلٹا کھایا اور اس کا کاروبار چل نکلا اور وہ پہلے کی طرح امیر ہوگیا۔ جب اس کے پاس خوب روپیہ پیسہ ہوگیا تو وہ ساری دولت لے کر اپنے گھر واپس آیا۔ اس نے ایک نیا مکان خریدا اور ایک بار پھر ٹھاٹ باٹ سے اپنا کاروبار چلانے لگا۔



کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے دوست لچھمن سے ملنے گیا۔ لچھمن نادک کو دیکھ کر بظاہر بہت خوش ہوا اور بڑی عزت کے ساتھ اُسے بٹھایا اور

اُس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ نادک نے اُسے اپنے سفر اور بیوپار کا حال سُنایا۔ کافی دیر بات چیت کرنے کے بعد جب نادک چلنے لگا تو اُس نے لچھمن سے کہا ”دوست! اب میں یہاں آ ہی گیا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ اپنی لوہے کی چھڑ بھی لیتا جاؤں۔“ نادک کی بات سُن کر لچھمن نے اپنا سر کھجلایا اور ایسی صورت بنالی گویا بہت پریشان ہوگیا۔ دراصل وہ نادک کی چھڑ واپس کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے دل میں بے ایمانی آگئی تھی۔ وہ



جانتا تھا کہ چھڑ کو بیچ کر اُس سے اچھے خاصے پیسے مل سکتے ہیں۔ اُس نے نادک سے کہا "بھائی، کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بڑی بُری خبر ہے تم سے کہوں تو کیسے کہوں۔ میں نے تمہارے لوہے کی چھڑ گودام میں رکھ دی تھی۔ اب کیا کہوں، جب میں گودام میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ساری چھڑ چوہوں نے کُتر کُتر کر کھا ڈالی۔ بدقسمتی سے ایسی چھڑ کا بازار میں ملنا بھی مشکل ہے ورنہ میں خرید کر تمہیں دوسری چھڑ دے دیتا۔"

"ارے، اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" نادک نے کہا۔ "جب چھڑ کو چوہوں نے کھا لیا تو اس میں تمہارا کیا قصور۔ دنیا میں ایسی کون سی چیز ہے جو ہمیشہ رہتی ہے۔ چلو اس کا ذکر چھوڑو، جو ہو گیا سو ہو گیا۔" یہ کہہ کر نادک گھر جانے کے لئے مُڑا۔ لیکن اچانک اسے کچھ خیال آیا اور وہ

رُک کر بولا " میں تم کو ایک بات تو بتانا بھول ہی گیا - میں نے اپنے پردیس کے سفر میں تمہارے لئے ایک بڑا اچھا تحفہ خریدا تھا - تم اپنے لڑکے رامو کو میرے ساتھ کردو - میں اسی کے ساتھ بھجوادوں گا "

لچھمن ایک تو اپنی چوری پر شرمندہ تھا - پھر اُسے تو ایسا لگا کہ وہ دھوکا دینے میں ہی کامیاب نہیں ہوا بلکہ نادک نے اُس کی جھوٹی باتوں کو مان بھی لیا تھا - اس کے علاوہ وہ اپنا تحفہ دیکھنے کے لئے بھی بے چین تھا - اس لئے اُس نے فوراً اپنے بیٹے رامو کو بلایا اور اسے نادک کے ساتھ بھیج دیا -



نادک رامو کو لے کر گھر پہنچا اور اُسے بہلا پھُسلا کر تہ خانے میں لے گیا اِس کے بعد اُس نے تہ خانے کا دروازہ بند کردیا اور باہر سے تالا لگا کر چُپ چاپ اپنے کام میں لگ گیا - شام تک جب رامو لوٹ کر نہیں آیا تو اس کے باپ کو فکر ہوئی - وہ نادک کے پاس گیا اور پوچھنے لگا " بھائی میرا لڑکا ابھی تک لوٹ کر کیوں نہیں آیا ؟ "

نادک نے بڑے غمگین لہجے میں کہا - " کیا بتاؤں دوست ، میں اُس کو لے کر اپنے گھر

جارہا تھا تو ایک باز نیچے جھپٹا اور رامو کو لے کر اُڑ گیا اور میں دیکھتا رہ گیا۔"

"جھوٹ۔" لچھمن نے چیخ کر کہا۔ "کہیں ایک باز بھی پندرہ برس کے لڑکے کو لے کر اُڑ سکتا ہے۔"

اس بات پر دونوں میں خوب جھگڑا ہوا۔ ایسی تُو تُو میں میں ہوئی کہ ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ اور ان کے چاروں طرف ایک مجمع اکٹھا ہوگیا۔ آخر جب دونوں میں خوب بحث ہوئی اور اس کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو دونوں اپنا معاملہ انصاف کے لئے عدالت میں لے گئے۔

جج کے پاس پہنچتے ہی لچھمن نے چلاّ چلاّ کر کہا "حضور! اِس آدمی نے میرا بچّہ چُرا لیا ہے۔ مہربانی کر کے میرا بچّہ مجھے واپس دلوا دیجئے۔"

جج نے نادک سے پوچھا۔ "کیا تم نے اِس کا بچّہ چُرایا ہے؟"

نادک نے جواب دیا۔ "حضور میں اِس کا بچّہ کیسے چُرا سکتا ہوں؟ اُسے تو میری آنکھوں کے سامنے ایک باز اُٹھا کر لے گیا ہے۔ حضور! آپ ہی بتائیے میں کیا کرتا۔ میں بے بس کھڑا دیکھتا رہا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" جج نے ناراض ہو کر کہا۔ "باز جیسا پرندہ ایک لڑکے کو لے کر کیسے اُڑ سکتا ہے۔"



"حضور!" نادک نے جواب دیا۔ "اگر لچھمن کے گودام میں پانچ سو کلوگرام کے وزن کی لوہے کی چھڑ کو چوہے کُتر کُتر کر کھا سکتے ہیں تو ایک باز لڑکے کو اُٹھا کر کیوں نہیں لے جا سکتا۔"

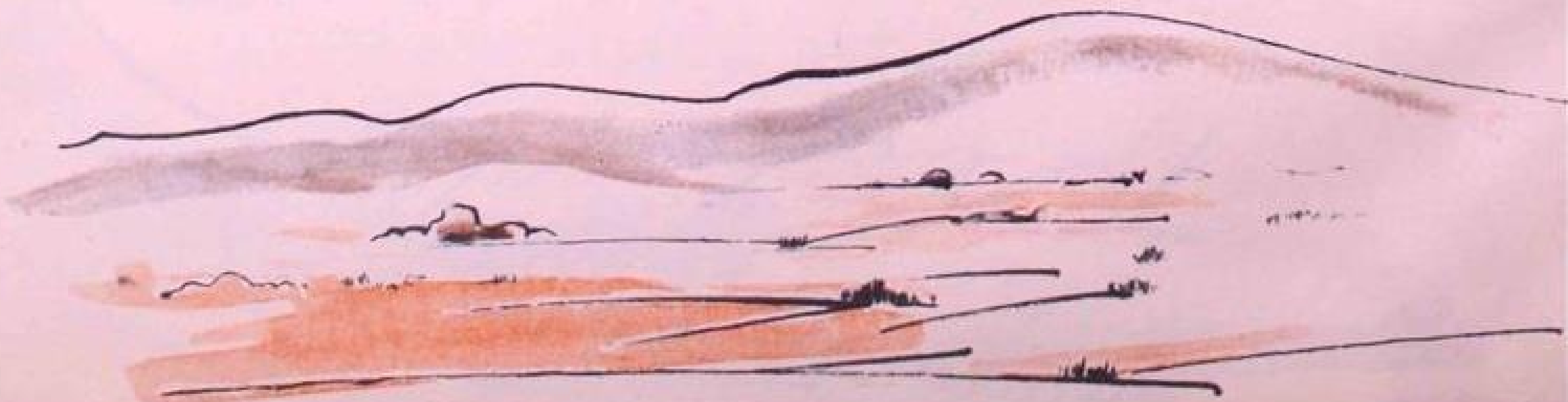
اس جواب سے جج چونک پڑا اور وہ اس بات کو جاننے کے لئے بے چین ہوگیا۔ اس نے نادک سے کہا "تم ساری بات اچھی طرح سے صاف صاف بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے؟" تب نادک نے لوہے کی چھڑ کا قصہ سُنایا۔ اِس بات کو سُن کر عدالت میں سب لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ جج نے لچھمن کو حکم دیا کہ "فوراً نادک کو اُس کی چھڑ واپس کرے اور نادک سے کہا کہ لچھمن کا بیٹا اُس کے حوالے کردے۔ اِس فیصلے سے لچھمن اور نادک دونوں بہت خوش ہوئے۔ لچھمن نے نادک کی چھڑ واپس کردی اور نادک نے اُس کا لڑکا تہ خانے سے نکال کر اُسے دے دیا۔



ایکتا کی طاقت









ایک بار کبوتروں کا ایک جھنڈ آسمان پر اُڑتا ہوا جا رہا تھا۔ جھنڈ کے تمام کبوتر دانے کی کھوج میں ہر طرف دیکھتے ہوئے اُڑ رہے تھے۔ لیکن گھنٹوں تلاش کے بعد بھی انہیں اناج کا ایک



دانہ بھی نظر نہ آیا۔ یوں ہی اُڑتے اُڑتے جب وہ ایک جنگل کے اوپر سے گذر رہے تھے تو ایک چھوٹے کبوتر نے اپنے راجا سے کہا "مہاراج! اس جنگل میں تھوڑی دیر آرام کرلیں"۔

کبوتروں کے راجا نے کہا "بچّے گھبراؤ نہیں۔ ہمّت سے کام لو۔ کچھ نہ کچھ کھانے کو ضرور ملے گا"۔

راجا کی بات سُن کر ننھّا کبوتر چُپ ہوگیا اور چُپ چاپ اُڑنے لگا۔ مگر وہ بیچارہ بہت تھک گیا تھا۔ اُسے اُڑنے کے لئے اپنا سارا زور لگانا پڑ رہا تھا۔ اچانک وہ اپنی ساری تھکاوٹ بھول گیا اور دوسرے کبوتروں کی طرف مُڑا اور بولا "بھائیو! جلدی کرو، دیکھو، نیچے بہت سا اناج دکھائی دے رہا ہے"۔ یہ دیکھ کر کبوتروں کا جُھنڈ نیچے اُتر آیا۔ اور ننھّے کبوتر کی بتائی ہوئی جگہ پر کیا دیکھتے ہیں کہ بالکل اُن کے نیچے ایک برگد کے پیڑ کے پاس، چاولوں کے چمکتے ہوئے دانے بکھرے پڑے ہیں۔

کبوتروں کے راجا نے کہا "آؤ ساتھیو آؤ - اب ڈٹ کر کھانا کھایا جائے -" وہ سب نیچے اُتر کر چاولوں کے دانے چُگنے لگے - یکایک اُن کے اوپر ایک جال آکر گرا اور سارا جُھنڈ اِس بھاری جال میں پھنس گیا -

"اب کیا ہوگا ؟" راجا نے چلاّ کر کہا - "ہم سب جال میں پھنس گئے ہیں -" اسی وقت انہوں نے دیکھا کہ ایک بھاری بھرکم بہیلیا ہاتھ میں ڈنڈا لئے اُن کی طرف آرہا ہے -

کبوتروں کے راجا نے کہا "ہمیں فوراً کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے نہیں تو بہیلیا آکر ہم کو مار

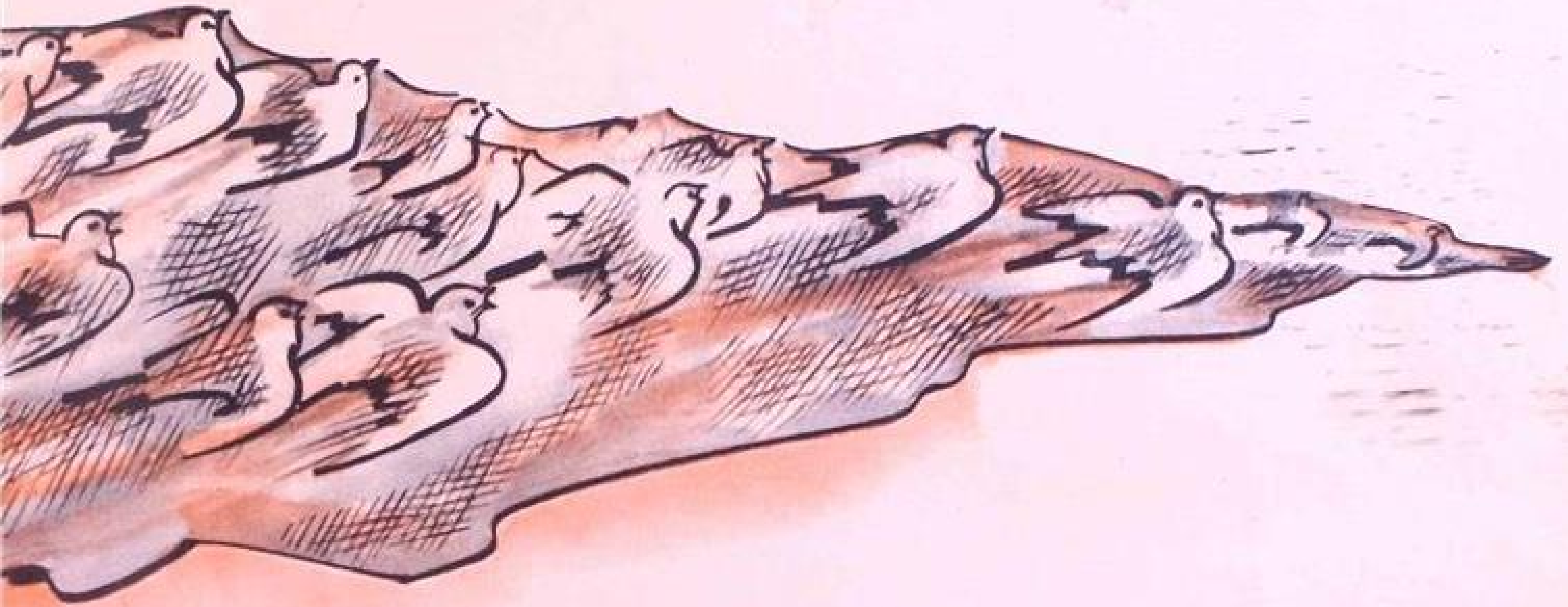




ڈالے گا۔ اب دیر نہ کرنا چاہئے —— بھائیو! میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی ہے۔ آؤ ہم سب مل کر زور لگائیں اور جال سمیت اُڑ چلیں۔ یاد رکھو اب ہماری ایکتا ہی ہماری اُمید ہے۔" اس وقت بہیلیا جال کے نزدیک آپہنچا۔ لیکن جیسے ہی وہ جال کی طرف بڑھا، ویسے ہی کبوتروں نے جال کا ایک اک حصّہ پکڑا اور پھُر سے اُڑ گئے۔ کبوتروں کو جال سمیت اُڑتا دیکھ کر بہیلیا چکّر میں پڑ گیا۔ اُس نے یہ منظر اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کا جال ہی اس کو واپس مل جائے۔ یہ سوچ کر وہ کبوتروں کے پیچھے دوڑنے لگا۔ جب کبوتروں نے بہیلیے کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تو وہ پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے ٹیڑھے میڑھے راستوں سے اُڑنے لگے۔ پھر بہیلیا اُن کا پیچھا نہ کرسکا اور تھوڑی دیر بعد مایوس ہو کر لوٹ گیا۔

جب بہیلیے نے کبوتروں کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا تب اُن کے راجا نے کہا۔" دوستو!

ہمارا آدھا خطرہ تو ٹل گیا ہے۔ اب میری رائے ہے کہ ہم سب پہاڑی کے پاس مندروں کی طرف چلیں، وہاں میرا دوست ایک چوہا رہتا ہے۔ وہ اپنے نکیلے دانتوں سے جال کو کاٹ کر ہمیں آزاد کردے گا۔" یہ بات سُن کر سارے کبوتر خوش ہوگئے اور بولے " ہاں ہاں چلو، وہیں چلیں۔"



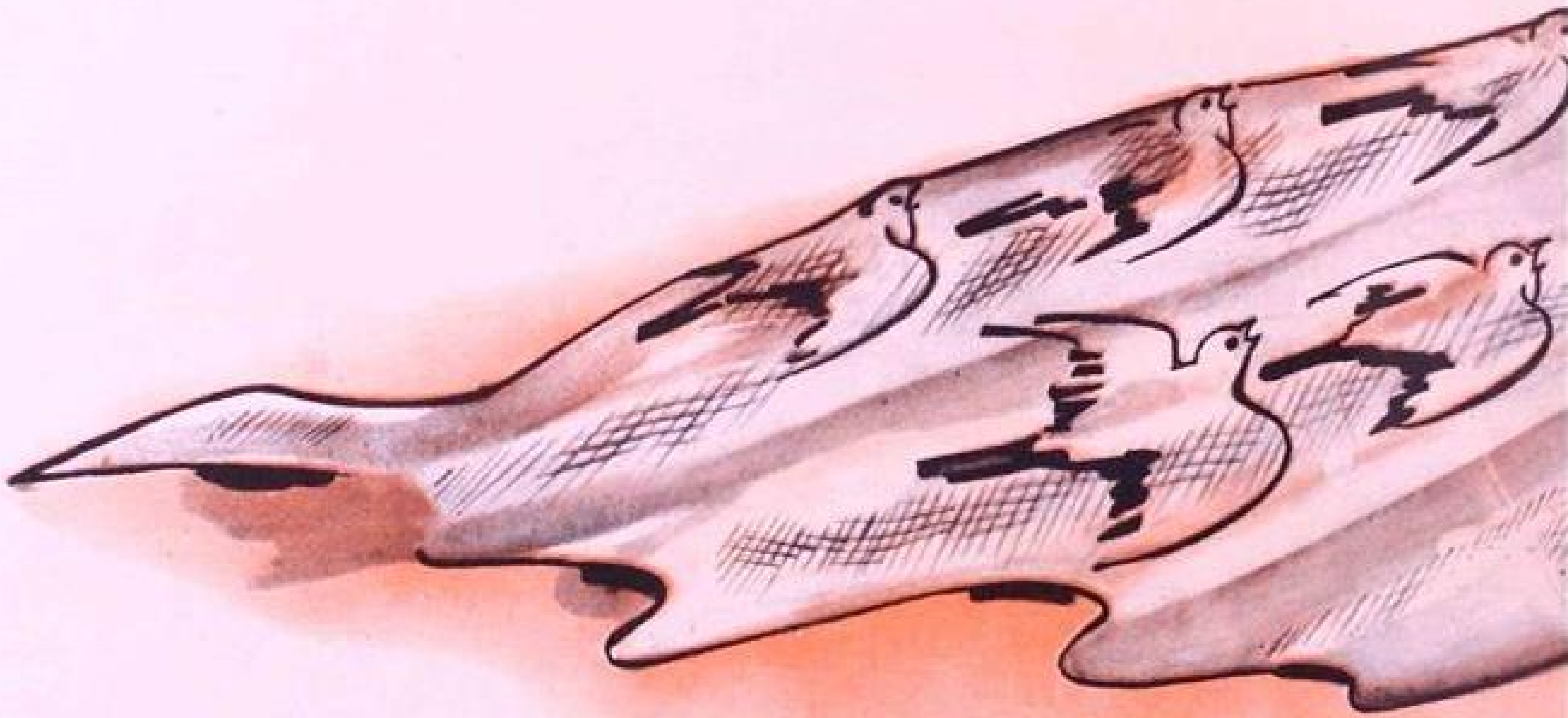
اس طرح شور مچاتے ہوئے وہ مندروں کے پاس جا پہنچے۔

جب کبوتروں کا پورا جُھنڈ ایک ساتھ چوہے کے بِل کے پاس اُترا تو اُن کے پَروں کی پھڑپھڑاہٹ سے چوہا ڈر گیا اور بِل کے آخری کونے میں جاکر چُھپ گیا۔ کبوتروں کے راجا نے اسے باہر سے پکار کر کہا کہ " ہم تمہارے پاس مدد کے لئے آئے ہیں۔" راجا کی آواز سُن کر چوہے نے بِل کے دروازے کے پاس آکر جھانکا اور اپنے دوستوں کی آواز سُن کر



بہت خوش ہوا۔

"بھائی ہم ایک بہیلیے کے جال میں پھنس گئے ہیں" کبوتروں کے راجا نے کہا۔ "لیکن جب وہ ہمارے نزدیک آیا تو ہم جال سمیت اُڑ کر بھاگے۔ اب تم مہربانی کرکے ہمیں اس جال سے نکالو"



"ابھی لو" چوہے نے کہا۔ "میں ابھی تمہارے بندھن کاٹے دیتا ہوں" یہ کہہ کر وہ سب سے پہلے کبوتروں کے راجا کو آزاد کرنے کے لئے آگے بڑھا۔



”نہیں نہیں۔“ راجا نے کہا۔ ”پہلے تم میرے ساتھیوں کو آزاد کرو۔“

ننّھا چوہا بہت ہوشیار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راجا کے دل میں اپنی رعایا سے کتنی محبّت ہوتی ہے۔ اُس نے ذرا سی دیر میں ایک ایک کر کے تمام کبوتروں کے بندھن کاٹ ڈالے اور پھر راجا کو بھی آزاد کر دیا۔

کبوتروں نے اپنی جان بچانے والے ننّھے چوہے کا شکریہ ادا کیا۔



برہمن کا خواب





کسی زمانے میں ایک برہمن تھا۔ وہ بھیک مانگ کر اپنی گذر کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی
تو اُسے کئی کئی دن بھوکا رہنا پڑتا۔ اُسے بڑی مشکل سے ایک وقت کا کھانا ملتا۔ مگر ایک
دن اُس کی قسمت ایسی چمکی کہ کسی نے اُس کو ایک ہانڈی بھر آٹا دے دیا۔ اتنا آٹا پاکر برہمن
مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا۔ وہ ہانڈی لے کر گھر پہنچا اور اسے اپنے بستر کے پاس لٹکاکر آرام سے



لیٹ گیا۔ اُس کے بالکل پاس ہی آٹے کی ہنڈیا تھی اور اُس کی آنکھیں ہنڈیا پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھ رہا تھا۔

اُس نے لیٹے لیٹے سوچا "کاش میرے پاس بھی روپیہ پیسہ ہوتا تو مجھے بھیک مانگنے کے لئے در بہ در کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑتیں"۔ یہی سوچتے سوچتے وہ خیالی پلاؤ پکانے لگا۔



”ہنڈیا میں ڈھیر سارا آٹا بھرا ہے۔“ اُس نے سوچا ”اتنا آٹا اگر میں کئی دن بیٹھے بیٹھے کھاؤں تو ختم نہ ہو۔ مگر میں اسے اپنے پاس کیوں رکھوں۔ بیچ کیوں نہ دوں۔ دیس میں قحط پڑا ہوا ہو تو اسے اچھے خاصے داموں میں بیچا جاسکتا ہے۔ میں بازار جاؤں گا اور زور سے چِلّاؤں گا ”آٹا

لے لو آٹا ۔" بیں جگہ جگہ پھیری لگاتا پھروں گا اور آواز لگاؤں گا " بڑھیا آٹا تازہ آٹا ۔ آٹا
لے لو آٹا ۔" پھر میرا آٹا خریدنے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہوجائیں گے ۔"
"اِدھر آؤ ۔ ہم تمہارا آٹا خریدیں گے ۔" ایک آدمی کہے گا ۔ "مگر دس روپئے سے



زیادہ نہیں دیں گے ۔"
دوسرا آدمی کہے گا " واہ تم دس روپئے دے رہے ہو ۔ میں پندرہ روپیہ دوں گا ۔"
"ارے پندرہ روپیہ کیا چیز ہے ۔" تیسرا آدمی کہے گا " میں بیس روپیہ دوں گا ۔"



بس پھر میں بیس روپیہ میں یہ سارا آٹا بیچ دوں گا۔

تب میرے پاس روپیہ ہی روپیہ ہو جائے گا۔ لیکن بیس روپیہ کس کام آئے گا۔ میں اُن سے ایک جوڑی جوتا اور دھوتی خریدوں گا۔ نہیں نہیں۔ جوتا اور دھوتی سے کیا ہوگا۔ میں بیس روپیہ میں کوئی کاروبار کروں گا —— کاروبار —— سب سے پہلے میں دو بکریاں



خریدوں گا۔ انہیں ہری ہری گھاس اور کونپلیں کِھلاؤں گا۔ پھر میری بکریوں کے بچّے ہوں گے۔ چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے بچّے۔ بچّے بڑے ہوں گے۔ تب میرے پاس کچھ نہیں تو دس بکریاں ہوجائیں گی۔ میں دس بکریوں کو بازار لے کر جاؤں گا۔ "بکریاں لے لو بکریاں"۔۔۔۔



میں خوب زور زور سے آوازیں لگاؤں گا۔ "موٹی تازی بکریاں۔" بکریاں دیکھ کر ایک دیہاتی دوڑا دوڑا آئے گا۔ اس کے سر پر لال پگڑی اور بدن پر نیلا کُرتا ہوگا۔ وہ کہے گا۔ "اہا ——



یہی تو میں ڈھونڈ رہا تھا۔" وہ فوراً سو روپیہ دے کر بکریاں خرید لے گا۔ "ہاں ہاں سو روپیہ
پورے سو روپیہ۔"

اس طرح میرے پاس پورے سو روپے ہو جائیں گے۔ ان سو روپے سے میں کیا کروں گا۔ میں ایک لال ریشمی کوٹ خریدوں گا یا پھر ایک خوبصورت پلنگ لوں گا۔ نہیں میں



اپنا روپیہ برباد نہیں کروں گا۔ میں اس سے دو گائیں خریدوں گا۔ گایوں کے بچھیاں ہوں گی۔ یہی بچھیاں بڑے ہو کر گائیں بن جائیں گی۔ اس طرح میرے پاس ڈھیروں گائیں اور ڈھیروں بچھیاں ہو جائیں گی۔ وہ بہت سا دودھ دیں گی۔ میں دودھ دہی اور گھی کا بیوپار کروں گا۔ پھر برفی، رس گلے، گلاب جامن بناؤں گا۔ اس کے بعد میں ایک دوکان کھولوں گا اور دوکان میں مٹھائیوں کا ڈھیر لگا دوں گا۔



”مٹھائی لے لو۔ بڑھیا مٹھائی“ میں زور زور سے آواز لگاؤں گا ـــــــ لے لو تازہ مزے دار مٹھائی۔“

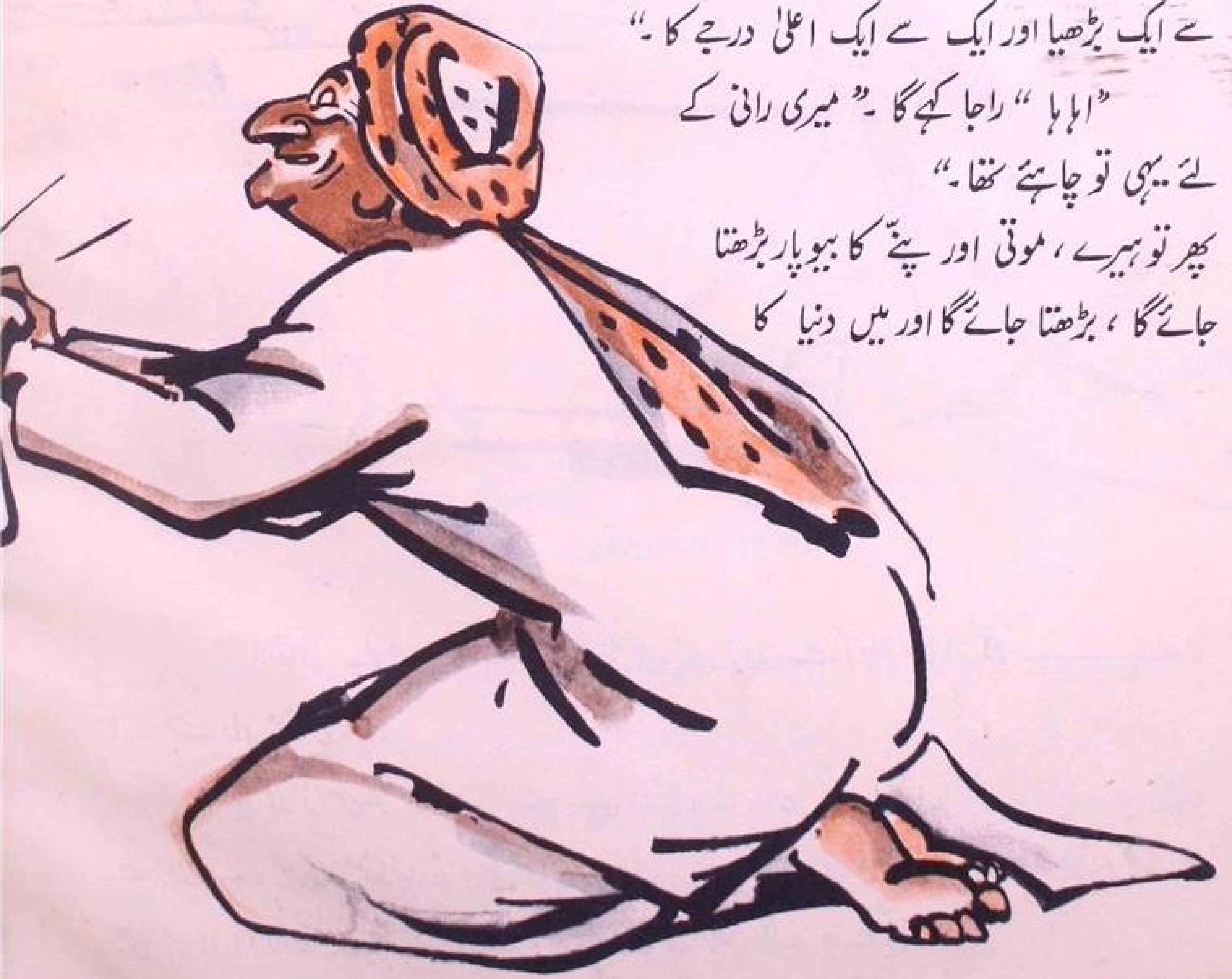
یہ آواز سُن کر ہر طرف سے بچّے دوڑیں گے۔ اُن کے ہاتھوں میں چاندی کے چمکتے سکّے ہوں گے۔ میری مٹھائیاں دیکھ کر ان سب کی رال ٹپکنے لگے گی۔ پھر عورت، مرد، بوڑھے سبھی میری دوکان میں آنے لگیں گے۔ خریداروں کی بھیڑ لگ جائے گی۔

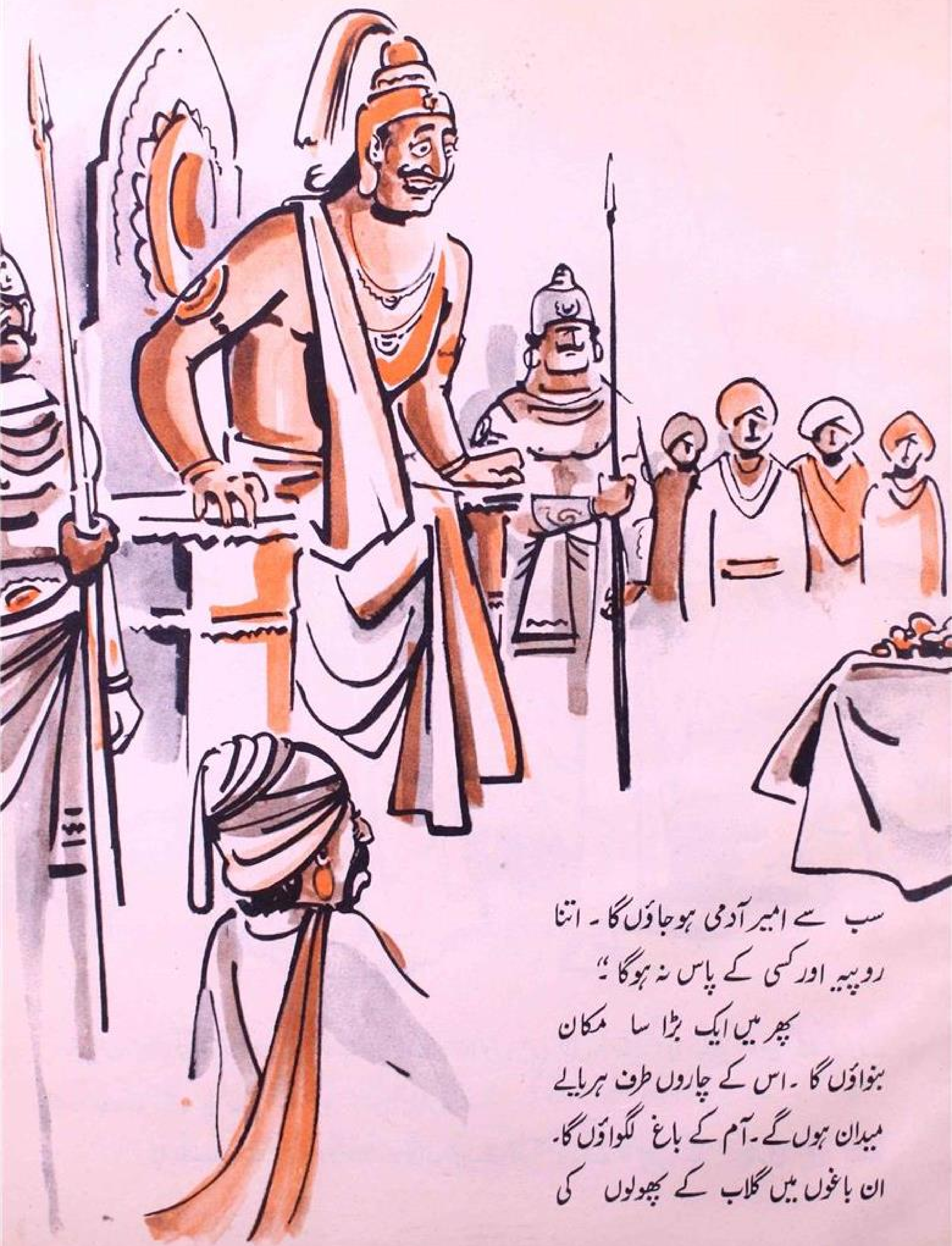
میرا کاروبار خوب زوروں پر چلے گا - میں روز بہ روز امیر ہوتا جاؤں گا۔ میرے پاس روپیوں کا ڈھیر لگ جائے گا - روپیہ ہی روپیہ - لیکن اتنے روپیہ سے میں کروں گا کیا ؟ ہاں میں ایک ہاتھی خریدوں گا یا ایک مندر بنوادوں گا - نہیں نہیں —— یہ سب کچھ نہیں ان سے کیا فائدہ —— بس ایک سے ایک خوبصورت ہیرے جواہرات خریدوں گا - پھر ہیرے جواہرات کا کاروبار کروں گا - اس طرح پھر ایک خوبصورت نیلا کوٹ اور ایک بڑھیا قسم کی پگڑی پہن کر راجا کے پاس جاؤں گا -"

"مہاراج !" میں کہوں گا - " میں آپ کے لئے ہیرے ، پنّے اور موتی لایا ہوں - ایک سے ایک بڑھیا اور ایک سے ایک اعلیٰ درجے کا -"

" اہا ہا " راجا کہے گا - " میری رانی کے لئے یہی تو چاہیے تھا -"

پھر تو ہیرے ، موتی اور پنّے کا بیوپار بڑھتا جائے گا ، بڑھتا جائے گا اور میں دنیا کا





سب سے امیر آدمی ہو جاؤں گا۔ اتنا
روپیہ اور کسی کے پاس نہ ہوگا"
پھر میں ایک بڑا سا مکان
بنواؤں گا۔ اس کے چاروں طرف ہریالے
میدان ہوں گے۔ آم کے باغ لگواؤں گا۔
ان باغوں میں گلاب کے پھولوں کی



کیاریاں ہوں گی۔ خوبصورت تالاب ہوں گے۔ تالابوں میں لال، نیلے اور پیلے کنول کِھلے ہوں گے اور اُن کے آس پاس سفید سفید ہنس تیریں گے۔

پھر ایک سے ایک دولت مند لوگ میرے گھر آئیں گے۔ کہیں گے " ہماری بیٹی سے

شادی کر لو۔" میں کہوں گا "نہیں ــــــ" پھر راجا اپنی بیٹی کا رشتہ لے کر آئے گا۔ میں کہوں گا "ہاں" ــــــ پھر لمبے بال اور پیاری آنکھوں والی خوبصورت راجکماری سے میری شادی ہوجائے گی۔

کچھ دنوں کے بعد میرے ہاں ایک لڑکا ہوگا۔ پھر دوسرا لڑکا اور پھر ایک لڑکی۔ میں باغ میں بیٹھ کر اپنے بچوں سے کھیلا کروں گا۔ جب میں آرام کرنے جاؤں گا تو اپنی بیوی سے کہوں گا



"اب تم بچوں کو کھلاؤ۔" مگر میری بیوی اور کاموں میں لگی ہوگی اور میرے پیچھے پیچھے بچے چلے آئیں گے۔ مجھے یہ بات بہت بُری لگے گی۔ میں انہیں چلا کر بھگاؤں گا۔ لیکن بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں۔ وہ مجھے اور پریشان کریں گے۔ پھر تو مجھے بہت غصہ آئے گا۔ میں ایک چھڑی اُٹھاؤں گا

اور انہیں پیٹتے ہوئے کہوں گا "بدمعاشو! ٹھہرو تو سہی۔ ابھی تم کو ٹھیک کرتا ہوں۔"

یہ سوچتے ہوئے برہمن نے اپنا ہاتھ اُٹھایا آٹے کی ہانڈی پر دے مارا۔ ہنڈیا دھم سے زمین پر گری اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ہنڈیا گرنے کی آواز سُن کر برہمن چونک کر بولا۔ "یہ کیسی آواز ہے؟"

جب اُس نے اُٹھ کر دیکھا تو نہ کہیں بچے تھے، نہ راجکماری، نہ وہ باغ، اُس کے بالکل سامنے ٹوٹی ہوئی ہنڈیا کے ٹکڑے پڑے تھے اور چاروں طرف آٹا بکھرا ہوا تھا۔

تین عالم اور ایک ان پڑھ



کسی زمانے میں ایک چھوٹے سے شہر میں چار آدمی رہتے تھے۔ ان چاروں میں بڑی گہری دوستی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے اور زیادہ تر ایک ساتھ رہتے تھے۔ ان میں سے تین آدمی تو بڑے پڑھے لکھے عالم تھے۔ انھوں نے اتنا پڑھ لیا تھا کہ اب اس سے زیادہ اور کیا پڑھتے۔ لیکن اتنا پڑھ لکھ لینے کے بعد بھی اُن میں معمولی سوجھ بوجھ نہ تھی۔ چوتھا دوست اَن پڑھ تھا لیکن تھا وہ بہت سمجھ دار۔



ایک بار چاروں دوست ایک جگہ بیٹھے یہ باتیں کر رہے تھے کہ کس طرح اپنے علم سے فائدہ اُٹھا کر اپنا رہن سہن بہت اچھا بنایا جائے۔ بات چیت کرتے ہوئے ایک عالم نے کہا "ہمیں دور دراز ملکوں کا سفر کرنا چاہیئے تاکہ دنیا بھر کے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ اِس سفر میں ہماری ملاقات بڑے بڑے راجاؤں اور جاگیرداروں سے ہوجائے گی اور پھر ہم آسانی سے مالامال ہوجائیں گے۔"

یہ بات سب کو پسند آئی اور تینوں نے کہا کہ ہمیں دنیا کا سفر کرنا چاہیئے۔ لیکن اس وقت ایک عالم نے کہا "ہم تینوں تو عالم ہیں۔ ہم نے سارے علم پڑھ رکھے ہیں۔ اس لئے ہمارا کامیاب ہونا تو یقینی ہے لیکن ہمارے اِس چوتھے دوست کا کیا ہوگا۔ یہ تو بالکل بُدھو ہے۔ یہ کچھ کرنے سے تو رہا، اُلٹا ہم پر بوجھ بن جائے گا۔"



اِس پر دوسرے عالِم نے کہا "ہمارا فائدہ اِسی میں ہے کہ اسے گھر پر ہی چھوڑ دیا جائے۔"

تیسرے عالِم نے کہا "دوستوں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس نے لکھنے پڑھنے کی طرف کبھی دھیان نہیں دیا، لیکن یہ ہمارے بچپن کا دوست ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔" پھر انہوں نے چوتھے اَن پڑھ دوست کی طرف مُڑ کر کہا "ہمارے پیارے

دوست چلو، تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ہم جو کچھ کمائیں گے، اس میں تمہارا بھی حصّہ ہوگا۔"

اس طرح آپس میں طے کر کے یہ چاروں دوست ساتھ ساتھ اپنے لمبے سفر پر چل پڑے۔ چلتے چلتے وہ ایک گھنے جنگل میں جا پہنچے۔ اس جنگل میں ایک جگہ پر کسی جنگلی جانور کی ہڈّیاں بکھری پڑی تھیں۔ ہڈّیوں کو دیکھ کر ان میں سے ایک عالِم نے کہا "یہ دیکھو، یہاں کسی جانور کی ہڈّیاں ہیں۔ یہ ہمارے علم کو پرکھنے کا سُنہری موقع ہے۔ آؤ ہم اِس جانور کو زندہ کر دیں۔"

اِس پر پہلے عالِم نے کہا "میں اِس کی ہڈّیاں اکٹھا کر کے اس کا پورا ڈھانچا تیار کر سکتا ہوں۔"

دوسرے عالِم نے کہا "میں اِس ڈھانچے میں کھال، گوشت اور خون وغیرہ بھر سکتا ہوں۔"

تیسرا عالِم بولا "میں اِس میں جان پھونک سکتا ہوں۔"

بس پھر کیا تھا۔ پہلے عالِم نے ہڈّیوں کو جمع کر کے ڈھانچہ تیار کر دیا۔ دوسرے عالِم نے اس میں کھال، گوشت اور خون وغیرہ بھر دیا اور تیسرا عالم اس میں جان پھونکنے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن جیسے ہی وہ اپنا کمال دکھانے والا تھا، ویسے ہی چوتھا اَن پڑھ آدمی چلاّ کر بولا "ٹھہرو اِس میں جان نہ ڈالو، دیکھتے نہیں یہ تو شیر ہے۔ کیا تم شیر کو زندہ کر دوگے۔"

اِس پر تیسرا عالم ناراض ہو کر بولا "ٹھہر تو بیوقوف! کیا تجھ کو میرے علم پر شک ہے۔



ہیں تو اِسے زندہ کرکے ہی چھوڑوں گا۔"

"اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو یہی کرو۔" چوتھے آدمی نے کہا "لیکن ذرا دو منٹ ٹھہر جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ دوڑتا ہوا بھاگا اور ایک اونچے پیڑ پر چڑھ گیا۔ اب تیسرے عالِم نے



شیر میں جان ڈال دی۔ اب جو دیکھتے ہیں کہ اُس ڈھانچہ کی جگہ پر ایک زندہ شیر کھڑا ہے۔ جیسے ہی اس میں جان پڑی، اُس نے پہلے تو گرجنا شروع کیا، پھر تیزی کے ساتھ جھپٹ کر اس نے تینوں عالِموں کو جان سے مار ڈالا۔

چوتھا اَن پڑھ چپ چاپ پیڑ پر بیٹھا دیکھتا رہا۔ جب شیر وہاں سے چلا گیا تب وہ نیچے اُترا اور پھر اپنے گھر واپس آگیا۔